نو آبادیاتی عہد میں اردو شاعری اور متغیر تانیثی تصورات
(مولانا حالی، زخ ش اور حسرت موہانی کا خصوصی مطالعہ)

ڈاکٹر طارق ہاشمی
پروفیسر، شعبہ اردو
جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد

Abstract
This article examines the transformation of feminist consciousness and the evolving representation of women in Urdu poetry during the colonial period in India. It situates Urdu poetry within the broader context of colonial modernity, intellectual reform, and socio-cultural change brought about by Western education and Enlightenment thought. Focusing specifically on the poetic works of Maulana Altaf Husain Hali, Zahida Khatoon Sherwania (Z. K. Sheerwaniya), and Hasrat Mohani, the study explores how changing perceptions of womanhood, gender roles, and female agency were articulated through poetic discourse.

The article analyzes Hali's reformist poems *Munajat-e-Bewah* and *Chup Ki Dad* as foundational texts that combine moral persuasion, religious symbolism, and social critique to foreground women's suffering and demand educational and social reform within an Islamic ethical framework. It further examines Zahida Khatoon Sherwania's long poem *Aaina-e-Haram*, highlighting its protest-oriented feminist voice, its dialogic engagement with patriarchal authority, and its transformation of female silence into collective resistance. Her poetry is shown to expand feminist discourse beyond domestic concerns toward political consciousness and global Muslim solidarity.

In contrast, the study reads Hasrat Mohani's ghazals as representing a subtler but equally significant shift in gender imagination. His portrayal of the beloved departs from the conventional passive and cruel figure of classical Urdu ghazal, presenting instead a socially grounded, emotionally responsive, and corporeally present woman reflective of emerging modern sensibilities.

The article argues that Urdu poetry of the colonial era played a crucial historical and aesthetic role in reshaping feminist thought by negotiating tradition and modernity, reform and resistance, ultimately contributing to a more humanized and empowered representation of women in South Asian literary culture.

کلیدی الفاظ: نو آبادیاتی عہد، اردو شاعری، تانیثی شعور، حقوقِ نسواں، سماجی اصلاح، جدید صنفی تصورات، روایت اور جدیدیت

Key Words: Colonial Modernity, Urdu Poetry, Feminist Discourse, Women Rights, Modern Gender Concepts, Tradition and Modernism

"ایماں مجھے روکے ہے تو کھینچے ہے مجھے کفر
کعبہ مرے پیچھے ہے، کلیسا مرے آگے"

غالب(۱) نے مذکورہ شعر میں ہندوستان میں رونما والی تہذیبی تبدیلی کا اظہار کرتے ہوئے اپنی باطنی کشمکش کا اظہار کیا ہے لیکن جس تہذیب کے غلبے کو وہ کفر قرار دے رہے ہیں، اس سے جڑی علمی کاوشوں سے وہ متاثر بھی نظر آتے ہیں۔ اس حقیقت کا اظہار سرسید کی کاوش بہ عنوان آئینِ اکبری سے ہوتا ہے، جس کی تقریظ انھوں نے رقم کی۔ غالب نے یورپ کی جس علمی ترقی کی تعریف کی ہے، اس کے ہندوستان میں تعارف اور عملی اظہار کی صورت میں اس سے سماج میں ایک زبردست ذہنی کشادگی نے جنم لیا اور مشرقی معاشرے کے افراد نے اپنی اقدار اور افکار پر غور شروع کیا۔ اسی غور و فکر کا اثر مذہب کی مروج روایتی سوچ پر بھی پڑا اور معاشرتی طرزِ اخلاق پر بھی۔

تبدیل ہوتے سماج میں جو اہم تغیرات دیکھے جا سکتے ہیں، ان میں عورت کے بارے میں مروج افکار اور اقدار نمایاں ہیں۔ اہلِ علم ہوں یا اہلِ ادب نسائی طبقے کے بارے میں اپنی روایتی فکر پر غور کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

اس سلسلے میں مولوی ممتاز علی اور شیخ عبداللہ کی علمی تصانیف بہت اہم ہیں لیکن حقوقِ نسواں کے حوالے سے سب سے موثر آواز خود غالب کے شاگرد مولانا الطاف حسین حالی کی ثابت ہوئی جن کی نظمیں چپ کی داد اور مناجاتِ بیوہ باکمال اور دلنشیں تخلیقات ہیں۔

مولانا حالی کی نظم "مناجاتِ بیوہ" تکنیکی لحاظ سے ایک مونولوگ ہے۔ اس کا مرکزی کردار ایک بیوہ ہے جو خدا کے حضور فریاد کناں ہے۔ مشرقی سماج میں بیوہ ہو جانا عورت کے لیے دوہرا المیہ رہا ہے کہ ایک طرف تو وہ اپنے شریکِ حیات و ہمدرد سے محروم ہو جاتی ہے تو دوسری طرف اسے بہت سی معاشرتی پابندیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس کا یہ دوہرا المیہ اس کے اندر دکھ کے احساس کو بھی دوگنا کر دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بیوہ نہ صرف اپنے دکھ اور تکلیف کا اظہار کرتی ہے بلکہ زندگی کے عدم استحکام کو بھی بیان کرتی ہے۔ حالی(۲) نظم کا آغاز توحیدِ الٰہی سے کرتے ہیں :

اے سب سے اوّل اور آخر
جہاں تہاں حاضر اور ناظر
اے سب داناوں سے دانا
سارے تواناوں سے توانا

اس کے بعد نظم (۲) میں بیوہ اپنے بیاہ اور بیوگی کے واقعات بیان کرتی ہے:

بیاہ کے دم پائی تھی نہ لینے
لینے کے یہاں پڑ گئے دینے
خوشی میں بھی سکھ پاس نہ آیا
غم کے سوا کچھ راس نہ آیا

بیوہ اللہ سے فریاد کرتی ہے کہ اب زندگی اس کے لیے موت سے بھی بدتر ہے اور اے اللہ میری حالت پر توجہ دے کیونکہ تو ہر بے سہارا کی پناہ ہے۔ اس کے بعد (۲) بیوہ دنیا والوں سے خطاب کرتی ہے:

اے نیک اور بد کے دربانو!
دیکھتی آنکھو! سنتے کانو!

اک دن اس گندی دنیا سے
جانا ہے مالک کے آگے
بوجھ ہیں وہاں سب تلنے والے
پترے سب کے ہیں کھلنے والے

بیوہ اس بات کا اعتراف کرتی ہے کہ وہ دوسرے انسانوں کی طرح گناہوں سے پاک نہیں، مگر اس کے باوجود یہ اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی قوم، اپنے ملک اور خدا سے باندھے ہوئے عہد کو نہ توڑے۔ اس نے بھرپور کوشش کی کہ اپنے وجود کو ناپاک جذبات سے آلودہ ہونے سے محفوظ رکھے۔ وہ خدا سے فریاد کرتے ہوئے کہتی ہے: ”اے میرے رب! اس دنیا میں صرف میں ہی نہیں بلکہ سینکڑوں بے بس اور مظلوم عورتیں ہیں جو مجبوری اور

کسمپرسی کی زندگی گزار رہی ہیں۔" نظم کے اختتام پر بیوہ التجا کرتی ہے کہ اے پروردگار! میرے وجود کو اس کائنات کے عدم استحکام اور بے یقینی سے محفوظ فرما۔

بیوہ کا یہ طرزِ احساس بہ ظاہر فریاد ہے لیکن تخلیق کار نے اسے ایک خاموش احتجاج کا روپ دیا ہے۔ خدا کے حضور دعا بھی، دعا کم اور خدا کے حضور شکایت کا رنگ زیادہ رکھتی ہے۔ حالی کی یہ نظم نہایت ایمائی پیرائے میں سماج پر طنز بھی کہ وہ ایک بیوہ عورت کے بارے میں کیسی بے حسی کا مظاہرہ کرتا ہے لیکن معاصر زمانے کا تقاضا ہے کہ اس معاشرتی فکر اور انداز میں تبدیلی لائی جائے۔

نو آبادیاتی عہد میں خواتین کے سلسلے میں افکار و اقدار کی تبدیلی کے سلسلے میں حالی کی نظم چپ کی داد بہت اہم نظم ہے۔ اس نظم کا عموماً پہلا بند پڑھا جاتا ہے اور یہی مقبول ہے جس میں حالی خواتین کو ماوں، بہنوں اور بیٹیوں پکار کر چپ کی داد دیتے نظر آتے ہیں لیکن حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ حالی کی نظم کے عنوان میں داد کا لفظ ہے لیکن نظم کا پورا متن دیکھا جائے تو حالی اس بیداد کا ذکر بھی بڑے دکھ کے ساتھ کرتے ہیں جو ہندوستانی سماج میں اس طبقے کے ساتھ صدیوں تک روا رکھا گیا۔ حالی کی یہ نظم ۸ بندوں پر مشتمل ہے۔ وہ پہلے پانچ بندوں میں خواتین کی چپ، حوصلے اور ہمت کی داد دیتے ہیں لیکن چھٹے بند میں ان کے اس طنز کی ابتدا ہوتی ہے، جس کا ہدف ہندوستانی مرد ہیں۔ حالی(۲) کہتے ہیں:

کی تم نے اس دارالمحن میں جس تحمل سے گزر
زیبا ہے گر کہیے تمھیں فخر بنی نوعِ بشر
جو سنگ دل سفاک پیاسے تھے تمھارے خون کے
ان کی تو ہیں بے رحمیاں مشہور عالم میں مگر
تم نے تو چین اپنے خریداروں سے بھی پایا نہ کچھ
شوہر ہوں اس میں یا پدر یا ہوں برادر یا پسر
الفت تمھاری کر گئی گھر دل میں جس بے دید کے
وہ بدگماں تم سے رہا اے بے نصیبو عمر بھر

گو نیک مرد اکثر تمھارے نام کے عاشق رہے
پر نیک ہوں یا بد، رہے سب متفق اس رائے پر
جب تک جیو، تم علم و دانش سے رہو محروم یاں
آئی ہو جیسی بے خبر ویسی ہی جاؤ بے خبر

تم اس طرح مجہول اور گمنام دنیا میں رہو
ہو تم کو دنیا کی ، نہ دنیا کو تمھاری کچھ خبر
جو علم مردوں کے لیے سمجھا گیا آب حیات
ٹھیرا تمھارے حق میں وہ زہر ہلاہل سر بسر
آتا ہے وقت انصاف کا نزدیک ہے یوم الحساب
دنیا کو دینا ہوگا ان حق تلفیوں کا واں جواب

نظم کے آٹھویں بند میں حالی کے طنز کی لے قدرے تو قدرے مدھم ہو جاتی ہے لیکن وہ وقت کے اس اٹل اور انمٹ فیصلے کا اظہار بڑے اطمینان سے کرتے ہیں، جو زمانے نے طبقہ نسواں کے حق میں کر دیا ہے۔ حالی (۲) کہتے ہیں:

نوبت تمہاری حق رسی کی بعد مدت آئی ہے
انصاف نے دھندلی سی اک اپنی جھلک دکھلائی ہے
گو ہے تمہارے حامیوں کو مشکلوں کا سامنا
پر حل ہر اک مشکل یونہی، دنیا میں ہوتی آئی ہے
اٹکے ہیں روڑے ، چلتی گاڑی میں سچائی کے سدا
پر فتح جب پائی ، سچائی ہی نے آخر پائی ہے

اس بند کے اگلے اشعار کو حالی نے خطابُ بِہٖ حَامِیَانِ تَعْلِیمُ نِسْوانٌ کا عنوان دے کر لکھا ہے۔ اس حصے میں حالی (۲) نے مردوں کے استحصالی طبقے کے مقابلے میں ان مردوں کی تحسین کی ہے، جو خواتین کو بااعتماد اور خود انحصار دیکھنا چاہتے ہیں:

اے بے زبانوں کی زبانو! بے بسوں کے بازوؤ
تعلیم نسواں کی مہم ، جو تم کو اب پیش آئی ہے
یہ مرحلہ آیا ہے پہلے تم سے ، جن قوموں کو پیش
منزل پہ گاڑی ان کی ، استقلال نے پہنچائی ہے

ہے رائی بھی پربت ، اگر دل میں نہیں عزم درست
یہ ٹھان لی جب جی میں ، پھر پربت بھی ہو تو رائی ہے
یہ جیت کیا کم ہے کہ خود حق ہے تمہاری پشت پر
جو حق پہ منہ آیا ہے ، آخر اس نے منہ کی کھائی ہے
جو حق کے جانبدار ہیں ، بس ان کے بیڑے پار ہیں
بھوپال کی جانب سے یہ ، ہاتف کی آواز آئی ہے
ہے جو مہم در پیش ، دستِ غیب ہے اس میں نہاں
تائیدِ حق کا ہے نشاں ، امداد سُلطانِ جہاں

حالی نے جس تعلیمِ نسواں کی تحریک کے حق میں نظم تخلیق کی، اس کا ثمر یہ سامنے آیا کہ نہ صرف خواتین کے لیے تعلیم کے در کھلے بلکہ بہت سی تخلیق کار خواتین کا ادبی سرمایہ بھی سامنے آنے لگا۔ نثار کبری عظیم آبادی سے لے کر بلقیس جمال تک متعدد ایسی شاعرات نے نہ صرف اپنا تخلیقی اظہار کیا، بلکہ تانیثیت کے حق میں بھرپور نظمیں رقم کیں۔

نو آبادیاتی عہد میں اردو نظم میں تانیثی فکر کے فروغ کے سلسلے میں مذکورہ ناموں میں ایک اہم نام کہ جن کے نظریات اور جراتِ اظہار سے نسائی شعور کا اکھوا پھوٹا، زاہدہ خاتون شیروانیہ کا ہے۔ آپ نہ صرف ایک شاعرہ تھیں بلکہ حقوقِ نسواں کے لیے نہایت سرگرم تھیں۔ آپ کی شعری دستاویز فردوسِ تخیل کے نام سے منظرِ عام پر آئی۔ اس مجموعے میں شامل ان کی طویل نظم "آئینہ حرم" ان کی ایسی تخلیق ہے کہ جس میں مرد کی بالادستی اور صنفی حیثیت میں عورت سے بے توجہی کا گلہ کیا گیا ہے۔

دلچسپ امر ہے کہ اس نظم کا اندازِ اقبال کی نظم شکوہ جیسا ہے۔ جو گلہ اقبال نے اللہ تعالی سے کیا، ویسی ہی شکایت ان کی معاصر زاہدہ خاتون شیروانیہ نے تانیثی پیرائے میں کی۔ دونوں شکووں کو ایک تسلسل میں دیکھا جائے تو

بنیادی بات جو مشترک نظر آتی ہے کہ وہ کسی اور کی جانب نظرِ التفات اور خود سے بے توجہی ہے ۔البتہ شیر وانیہ (۳) کے شکوے میں زباں بندی کا مضمون اضافی ہے:

میں نے مانا کہ خموشی سے بیاں ہے بہتر
لبِ پیوستہ، لبِ شہد فشاں سے بہتر
صبر شیون سے، شکیبائی فغاں سے بہتر
دل ہے اسرار کے رہنے کو زباں سے بہتر
پر ہراک شے کے لیے حد ہے معین لوگو
ضابطِ درد ہو کب تک جگرِ زن لوگو

شیر وانیہ (۳) مزید لکھتی ہیں:

بھائیو! آہ رہے ہیں سینے میں مدفوں کب تک
دل ہی دل میں گلہ طالعِ واژوں کب تک

آستیں سے ہو نہاں دیدہ پرخوں کب تک
غم کو پوشیدہ رکھے خاطرِ محزون کب تک
حالِ دل کیوں نہ کہیں؟منہ میں زباں رکھتے ہیں
ہم بھی پہلو میں دل اور جسم میں جاں رکھتے ہیں

اس نظم میں شکوہ، شکایت، طنز اور احتجاج کے تمام رنگ موجود ہیں۔ عورت کی خاموشی کا صدیوں کا سفر ایک استقامت سے تعبیر ہے لیکن اب وقت آگیا ہے کہ اس خاموشی کا قفل توڑ دیا جائے۔ آئینۂ حرم کے ایک بند میں شیر وانیہ کہتی ہیں:

کیا کہا کیسے الم دیدہ و ناشاد ہیں ہم
خستہ جور ہیں ہم ، کشتہ بیداد ہیں ہم
تختہ مشق ثنا بازی صیاد ہیں ہم
آدمی کاہے کو ہیں پیکر فولاد ہیں ہم
ہائے یہ ظلم کہ بے جرم چلائیں خنجر
اس پہ یہ حکم کہ فریاد نہ آئے لب پر

زاہدہ خاتون شیروانیہ کی نظموں کو دیکھا جائے تو بدلتے ہوئے تانیثی منظرنامے کے حوالے سے ان کی نظموں کے دوطرح کے موضوعات نمایاں ہو کر سامنے آتے ہیں۔

۱۔ عورت کا تشخص اور اس کی حیثیت کو منوانے کی سعی

۲۔ عالمی حالات پر تخلیقی ردِ عمل اور خواتین کو دعوتِ پیکار

دوسرے موضوع کے سلسلے میں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ زاہدہ خاتون شیروانیہ سلطنتِ عثمانیہ سے نہایت گہرا لگاو رکھتی تھیں۔ وہ عثمانیوں کے خلاف عالمی سازشوں اور حملوں پر نہایت رنجیدہ تھیں۔ سلطنتِ عثمانیہ سے اپنے لگاو اور اس کے خالف جنگی معرکہ آرائیوں کا اظہار انھوں نے اپنی متعدد نظموں میں کیا ہے۔ اس سلسلے میں ان کی نظمیں عالمِ خواب، اپیل، شہر آشوبِ اسلام، زندہ باد انور پاشا اور جنگِ فرنگ بہت اہم ہیں۔

ان کی نظم بہ عنوان اپیل اپنے عصر کی ہندوستانی خواتین کو میدانِ عمل میں آنے کی دعوت ہے۔ اس نظم کا پس منظر ترکی پر یورپی طاقتوں کی یلغار ہے۔ یہ وہ وقت تھا کہ جب اسلامیانِ ہند کے دل اپنے ترک بہن بھائیوں کے ساتھ دھڑکتے تھے۔ یورپی طاقتوں کی یلغار کے باعث جب ہندوستانی مسلمانوں کے دل میں ان کی مدد کا جذبہ جاگا تو اہلِ قلم نے بھی اس سلسلے میں اپنا تخلیقی حصہ شامل کیا۔ شیروانیہ (۴) کی نظم دراصل اسی تخلیقی کاوشوں میں سے ایک ہے۔ وہ خواتین کو دعوتِ عمل دیتے ہوئے کہتی ہیں:

اے گوشہ گیر بہنو! اے پردہ دار بہنو
عفت مآب بہنو! عصمت شعار بہنو

کیوں آج ہو رہی ہے ہر سو پکار بہنو
کیوں آج بزم دیں ہے ہنگامہ زار بہنو
کیوں آج اہل ملت ہیں سوگوار بہنو
سینہ زمیں کا شق ہے ،گردوں کی چشم تر ہے
ہلتا ہے عرشِ اعظم ،جبریل نوحہ گر ہے
کیسی یہ ہائے و ہو ہے ، کیسا یہ شور و شر ہے
تم کو بھی کچھ خبر ہے؟ تم پر بھی کچھ اثر ہے؟
ہے دین پر مصیبت اے دیندار بہنو

دین محمدی کی وہ یادگار عظمت
وہ فاتحانِ عالم کی آخری حکومت
وہ جس کے زیبِ کو شک ہے مسندِ خلافت
وہ سلطنت کہ ترکی کہتی ہے جس کو خلقت
یورپ کی ڈپلومیسی کی ہے شکار بہنو

نو آبادیاتی عہد میں اردو غزل کے عناصرِ اربعہ میں حسرت موہانی ایسے شاعر ہیں جن کی سیاسی جدوجہد بھی قابلِ ذکر ہے۔ وہ ایک نہایت زیرک اور نڈر سیاسی ورکر تھے۔اس عہد کے وہ شعرا جو بہ یک وقت سیاست اور ادب میں نمایاں تھے، ان کی شاعری کا مزاج بھی سیاسی ہے لیکن حسرت موہانی کی غزل کے معاملے میں ایسا ہر گز نہ یں۔انھوں نے بعض اشعار میں اپنے سیاسی آہنگ کو نمایاں ضرور کیا ہے لیکن مجموعی طور پر ان کی غزل عاشقانہ مزاج رکھتی ہے۔

حسرت موہانی نے اپنی شاعری میں کسی تانیثی نظریے سے کوئی غرض نہیں رکھی لیکن وہ جہاں جذباتِ انسانی کی عمدہ ترجمانی پہ یقین رکھتے تھے، وہاں عشقیہ احساسات کو بھی اپنی اصل حالت میں پیش کرنے کے قائل تھے۔ان کے بارے میں صدیقی (۵) نے بہت عمدہ نکتہ بیان کیا ہے۔ان کے مطابق:

"حسرت کی شاعری عشقیہ شاعری ہے۔ الف سے ی تک ! جسم، حسن اور جذبے کی شاعری۔ حسرت سے پہلے اردو کا کوئی شاعر ایسا نہیں ہے جس کا محبوب اور جس کی محبت حسرت کی طرح اس قدر رشستہ اور اتنی عام ہو۔"

اردو غزل کی تاریخ میں حسرت موہانی کا جذبہ عشق ہی مختلف نہیں، بلکہ تصورِ محبوب بھی مختلف ہے۔ ان کی شاعری میں محبوب کا تصور اس تبدیل شدہ عورت کی تصویر بناتا ہے جو جدید سماجی ساخت سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ ایسی تصویر جو سابقہ اردو شاعری کی طرح مجرد نہیں، نہ اس کے خدوخال کی تفہیم میں کوئی مشکل پیش آتی ہے۔

حسرت کی غزل میں عورت کے تصور پر غور کریں تو پہلی بار ہمیں ایک ایسا محبوب دکھائی دیتا ہے جو بے وفا نہیں، وہ عاشق پر ظلم و ستم نہیں کرتا اور اس کا چاہنے والا اس کی یاد میں آہیں نہیں بھرتا۔ یہ ایسا محبوب ہے جو اپنے عاشق سے ملنے چھت پر ننگے پاوں آتا ہے۔ دوپٹے کو دانتوں میں دبا کر ادائیں بھی دکھاتا ہے اور اس سے ایک دوست کی طرح چھیڑ چھاڑ بھی کرتا ہے۔

اردو غزل میں محبوب کی یہ وہ تصویر جو خالصتاً جدید معاشرت کی عطا ہے۔ مشرقی معاشرہ جس میں اب تک صرف مرد عاشق ہی نظر آتا تھا، اب محبوب بھی موہانی(٦) کی غزل میں پورے وجود کے ساتھ اپنی جھلک دکھارہا ہے:

روشن جمالِ یار سے ہے انجمن تمام
دہکا ہوا ہے آتشِ گل سے چمن تمام
حیرت غرورِ حسن سے، شوخی سے اضطراب
دل نے بھی تیرے سیکھ لیے ہیں چلن تمام
اللہ ری جسم یار کی خوبی کہ خودبخود
رنگینیوں میں ڈوب گیا پیرہن تمام

موہانی(٦) کے یہ شعر بھی دیکھیے:

بار بار اٹھنا اسی جانب نگاہِ شوق کا
اور ترا غرفے سے وہ آنکھیں لڑانا یاد ہے
تجھ سے کچھ ملتے ہی وہ بے باک ہو جانا مرا
اور ترا دانتوں میں وہ انگلی دبانا یاد ہے
کھینچ لینا وہ مرا پردے کا کونا دفعتاً
اور دوپٹے سے ترا وہ منہ چھپانا یاد ہے

ایک اور مقام پر موہانی(۶) لکھتے ہیں:

راہ میں ملیے کبھی مجھ سے تو از راہ ستم
ہونٹ اپنا کاٹ کر فورا جدا ہو جایئے
مجھ سے تنہائی میں گر ملیے تو دیجے گالیاں
ور بزم غیر میں جان حیا ہو جایئے

حسرت کے ان اشعار میں وہ درد و سوز نہیں ہے جو اردو غزل کی روایت میں نظر آتی ہے۔ان اشعار میں محبوب کا وہ تصور بھی نہیں جو ظالم و بے وفا ہے۔ حسرت کے ان اشعار میں محبوب کا رویہ بے پروائی کا مظاہرہ کرنے والا اور دکھ دینے والا نہیں بلکہ ایک ایسے محبوب کا ہے جو اپنے چاہنے والے کے جذبات کو سمجھتا بھی ہے اور ان کا قدر دان بھی۔

اردو غزل میں عورت کا جو تصور حسرت کی غزل میں ابھرتا ہے، وہ نئے تمدنی اور تہذیبی مزاج کا آئینہ دار ہے۔ یہ وہ تمدن ہے جس میں عورت کوئی مجرد وجود نہیں بلکہ ایک جیتا جاگتا انسان ہے۔ ایک ایسا انسان جو جذبات و احساسات کا فہم بھی رکھتا ہے اور ان جذبات کو اپنے باطن میں بھی محسوس کرتا ہے۔

نو آبادیاتی عہد میں ہندوستانی سماج میں متعارف ہونے والی روشن خیالی سے عورت کے بارے میں مروجہ خیالات کی تبدیلی میں اردو شعرا نے ایک اہم، تاریخی اور تخلیقی کردار ادا کیا۔ اس سلسلے میں قدیم اور رجعت پسندانہ افکار کو بدلنے کے لیے شعرا نے جو تخلیقات پیش کیں، ان میں تبدیلی کے بیانیے کو مذہبی رنگ نمایاں ہے۔ شعرا کو اس امر کا احساس تھا کہ معاشرہ صدیوں سے جن خیالات کا اسیر ہے، انھیں بدلنے کے لیے کسی جدید اور تند و تیز رویے سے تبدیلی کے بجائے تصادم جنم لے گا۔ چنانچہ ان تخلیق کاروں نے مذہب کے ان خیالات کا سہارا لینا زیادہ مناسب خیال کیا، جن میں حقوقِ نسواں کی بات کی گئی ہے۔

مولانا حالی اور زخ ش کی منظومات میں مذکورہ بیانیے کے ذریعے عورت کے ایک روشن خیال تصور کو فروغ دینے کی کوشش کی گئی اور یہی وہ عکس ہے جو ایک جمالیاتی پیرائے میں حسرت موہانی کی غزل میں دکھائی دیتا ہے۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) غالب، مرزا اسد اللہ خان(۱۹۶۹ء)،دیوانِ غالب(مرتبہ، حامد علی خان)،لاہور، پنجاب یونیورسٹی، ص۱۷۰

(۲) حالی، الطاف حسین،(۱۹۷۰ء)،کلیاتِ نظمِ حالی،لاہور، مجلسِ ترقی ادب، ص۵، ص۶، ص۱۰، ص۴۶، ص۵۰، ص۵۷

(۳) شیروانیہ، زاہدہ خاتون،(۱۹۲۱ء)،آئینۂ حرم،لاہور، دارالاشاعت پنجاب، ص۲۲، ص۲۵، ص۲۷

(۴) شیروانیہ، زاہدہ خاتون،(۱۹۴۱ء)،فردوسِ تخیل،لاہور، دارالاشاعت پنجاب، ص۶۰

(۵) صدیقی، رشید احمد،(۱۹۶۷ء)،جدید غزل،اشاعتِ دوم، علی گڑھ، سرسید بک ڈپو، ص۶۷

(۶) موہانی، حسرت،(۲۰۱۶ء)،کلیاتِ حسرت، دہلی، کتابی دنیا، ص۱۸۹، ص۲۰۱، ص۲۲۴